ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

علی نقی خان کا ناول ''زوال لازوال'' کا تجزیاتی مطالعہ (سیاسی و سماجی تناظر میں)

Analytical study of Ali Naqi Khan's novel "Zawal Lazwal" (in political and social context)

سجاد احمد
پی ایچ۔ڈی اسکالر، وفاقی اُردو یونیورسٹی، اسلام آباد
شائلہ مشتاق احمد
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
شائلہ مجید
ایم۔فل اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:
"All literary texts are synonymous with linguistic and imaginative connection. The rules and regulations of literary and literary authenticity are completely different and contradictory, so the application in literary discourse and external events, ignorance never goes beyond basic understanding. Now that we are dealing with the epoch of research is the epoch of theory where the interference of impressions is no longer tolerable. Ali Naqi Khan's novel "Zawaal Lazwal" is special in that what is more thought-provoking and attention-grabbing which pervades the whole story, is its human side. The state of human suffering and suffering seems to manifest its presence throughout the story.The subject of this novel is the problems of backward classes.This article presented the Analytical study of Ali Naqi Khan's novel "Zawal Lazwal" (in political and social context)

Key Words: Ali Naqi Khan's, novel, Zawal Lazwal, political, social , happiness, sadness, socio-economic inequality, poverty and wealth, oppression.

اُردو ادب کی نامور شخصیت علی نقی خان جھنگ کی مردم خیز دھرتی پر ۲۰۔جون ۱۹۵۹ء کو موضع لاشاری تحصیل و ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ علی نقی خان کی پیدائش کے حوالہ سے عالیہ جمیل یوں بیان کرتی ہیں:

''مکمل نام ''علی نقی'' ہے نقی تخلص کرتے ہیں۔ وہ ۲۰۔جون ۱۹۵۹ء کو لاشاری تحصیل و ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔''(۱)

علی نقی کا تعلق برصغیر پاک و ہند کے ایک قدیم، غیور اور بہادر خاندان بلوچ سے ہے۔ یہ قوم پاک و ہند کے علاوہ اسلامی دنیا کے طول ارض میں پھیلی ہوئی ہے۔ موصوف کے آباؤ اجداد میں سے ایک بزرگ ''عالی جان'' کوئی تین صدیاں قبل ایران سے ہجرت کر کے پاکستان کے مردم خیز ضلع جھنگ میں موجود قصبہ لاشاری میں سکونت پذیر ہوئے۔

ابتدائی تعلیم کے دوران ہی علی نقی خان کی توجہ غیر نصابی کتب کی طرف ہو گئی۔ اس سلسلے میں وہ خود بیان کرتے ہیں:

''جب لفظوں سے کچھ شناسائی ہوئی تو غیر نصابی کتب سے چھیڑ خانی بھی شروع کر دی۔ ہر چند سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا لیکن لفظ گردی کی عادت ہو چکی تھی اس عمر میں ''بچوں کا ادب''، ''پھول کلیاں'' اور دوسرے رسائل پڑھنا معمولات میں شامل تھا۔''(۲)

زوال لازوال علی نقی خان کی نثری کوششوں میں تیسرا نثر پارہ ہے جسے زوال لازوال کے نام سے سجایا گیا ہے اور اسے ناول ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے مثال پبلشرز فیصل آباد نے ۲۰۱۵ء میں شائع کیا۔ ناول کا انتساب ''جبریت وقت کے نام'' ہے۔ ہر چند یہ ناول ہے لیکن روایتی نہیں ہے۔ پلاٹ، کردار، آغاز و انجام سے ماوراء ہے جسے مصنف کا سب سے بڑا کمال کہا جا سکتا ہے۔ وہاں منفرد اسلوب کے حامل اور موضوعاتی لحاظ سے بھی انسانی زندگی کی مختلف جہتوں کو موضوع بناتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علی نقی خان کے ناول ''زوال لازوال'' میں خوشی، غمی، سماجی و معاشی ناہمواری، غربت و امارت، ظلم اور جبر سمیت تمام موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ زوالِ لازوال کا موضوع پسماندہ طبقات کے مسائل ہیں۔ مگر اس

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

موضوع کو سمجھنے کے لیے اس پر بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پاکستانی طبقات پر بحث کی جائے اور دیکھا جائے کہ طبقات کیا ہے۔ پاکستانی سماج میں کون کون سے طبقات ہیں اور ان میں کیا کیا معاشی امتیازات پائے جاتے ہیں۔

سماج کی اقسام

۱۔ دیہی سماج ۲۔ بلدیاتی سماج ۳۔ خانہ بدوش سماج

۴۔ اقامتی سماج ۵۔ روایتی سماج ۶۔ جدید سماج

پس ماندہ طبقات کے مسائل

مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستانی سماج، اعلیٰ و ادنیٰ اور ذات پات کے تفریق کے سبب مختلف طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس سماج میں عزت و احترام کا معیار دولت تھا۔ کوئی شخص جتنا زیادہ دولت مند ہوتا اسے اتنا ہی محترم سمجھا جاتا اور اس کا شمار اعلیٰ طبقے میں ہونے لگتا۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اقتصادی طور پر کمزور تھے خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوتے انہیں نچلے طبقے کا آدمی سمجھا جاتا۔ اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اعلیٰ طبقے سے وابستہ لوگ سماج میں اہمیت کے حامل ٹھہرے اور محنت مشقت کر کے روزی کمانے والے مزدوروں، کسانوں اور غریب غربا کو نچلے طبقے کا نمائندہ سمجھا جانے لگا۔

پاکستانی اردو ناول جہاں فنی خوبیوں کے حامل ہیں وہاں منفرد اسلوب کے حامل اور موضوعاتی لحاظ سے بھی انسانی زندگی کی مختلف جہتوں کو موضوع بناتے ہوئے دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی اردو ناولوں میں خوشی، غمی، سماجی و معاشی ناہمواری، غربت و امارت، ظلم اور جبر سمیت تمام موضوعات کا اہم ترین موضوع پسماندہ طبقات کے مسائل ہیں۔ اس موضوع کو سمجھنے اور اس پر بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ پاکستانی سماج پر بحث کی جائے اور دیکھا جائے کہ سماج کیا ہے؟ اور پاکستانی سماج میں کون کون سے طبقات ہیں اور اس سماج میں کیا کیا معاشی امتیازات پائے جاتے ہیں:

"لفظ سماج کے لغوی معنی معاشرہ سوسائٹی، انجمن، حلقہ، ٹولا یا صف کے ہیں اور یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔"(۳)

عمرانیات میں افراد کے باہمی تانے بانے کو معاشرہ کہتے ہیں اور عام طور پر معاشرے سے مراد افراد کا گروہ لیا جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں معاشرے کے لیے سوسائٹی (Society) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ماہرِ عمرانیات معاشرے کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"A society is a large social grouping that shares the same geographical territory and is subject to the same political authority and dominant cultural expectations."(4)

اس تعریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرے میں صرف ایک ہی سیاسی گروہ کی اجارہ داری ہے۔ جس کا کنٹرول اس معاشرے کے تمام باشندوں پر لاگو ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک ہی جغرافیائی خطے کا ہونا ضروری ہے اور ایک ہی سیاسی طاقت کا رعب ہونے کی بھی شرط عائد کی گئی ہے۔ لوگوں کے درمیان ایک جیسی ثقافت کا ہونا بھی بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور تعریف میں سیاسی طاقت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا گیا ہے:

"A group of interacting individuals who share the same territory and participate in common culture is called the society."(5)

یہ بات تو ایک حقیقت ٹھہری ہے کہ معاشرہ انسانوں کا ایسا گروہ ہے جو اپنے مفاد اور بقا کے لیے اکٹھے رہتے ہیں۔ عام طور پر علاقائی وقوع پذیری بھی معاشرے کا لازمی عنصر تصور کی جاتی ہے۔ علی نقی خان کا ناول "زوال لازوال" اس حوالے سے خاص ہے جو کہ زیادہ فکر انگیز اور توجہ طلب ہے جو پوری کہانی پر محیط ہے، وہ اس کا انسانی پہلو ہے۔ انسانی سوز اور دردمندی کی کیفیت پوری کہانی میں اپنی موجودگی کو برملا اظہار کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ ناول خود کلامی کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ یعنی روایتی ناول ناول کے جملہ پیمانوں کو تج کر کے ناول کے باب میں ایک نئی راہ نکال لی گئی ہے جسے مصنف کا سب سے بڑا کمال کہا جا سکتا ہے۔ اس ناول کی پہلی سطریں یوں ظہور پذیر ہیں:

"جو میں پہلے تھا اب نہیں ہوں۔ بعد میں ایسا نہیں ہوں گا جو میری حالت آج ہے کل وہ میری حالت نہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ہو گی۔ کہاں سے آیا ہوں؟ معلوم نہیں۔ کہاں جانا ہے؟ معلوم نہیں کس لیے آیا ہوں؟ معلوم نہیں
میں قدرت کا شاہکار ہوں؟ مگر لگتا نہیں ہوں۔ کب میں عالم زر میں تھا؟ مجھے یاد نہیں۔ کچھ عرصہ میں
ماں کے بطن میں رہا۔ مجھے یاد نہیں ہے۔ مجھ پر بے شمار نعمات نچھاور ہو رہی ہیں۔ لیکن مجھے ان نعمات
کا ادراک نہیں ہے۔ میں اپنے رب کا بندہ ہوں مجھے اس کا احساس نہیں۔ زندگی کو نعمت سمجھتا ہوں مگر
اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ نیند میں معمولی چیز سے ڈر جاتا ہوں مگر جب جاگتا ہوں تو پھر خدا سے بھی
نہیں ڈرتا۔"(۶)

اس اقتباس سے اس نثر پارے کے بارے میں بہت کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مصنف اپنے قاری سے کیا توقع کرتا ہے۔ ابتداء ہی واحد متکلم سے مکالمے کی ہے۔ مکالمہ اشیاء سے بھی ہے، ضرورتوں سے بھی ہے اور انسانوں کے مابین پائے جانے والے رویوں سے بھی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ انسان خدا کا شاہکار ہے۔ اگر انسان اپنے جسم میں موجود اعضا پر غور کرے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے جسم میں موجود ہر چیز بہت بڑی نعمت ہے۔ انسانی جسم کا کوئی بھی اعضاء فضول نہیں بنایا گیا، ہر اعضاء کا اپنا اپنا کام اور اپنی خوبصورتی ہے۔ خدا کی دی ہوئی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ اس ذات باری کی عبادت ہے۔

موصوف اپنے آپ سے یہ سوال کر رہا ہے کہ اس کی منزل کہاں ہے؟ اپنی منزل کو تلاش کرنے کے لیے وہ مختلف مظاہر فطرت سے سوال کر رہا ہے کہ انسان نے فطرت کو سمجھنے کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی کو سہارا لیا مگر یہ ساری چیزیں انسان کو فطرت سے دور کرتی گئیں۔ جب میں نے تاریخ اٹھا کر دیکھی تو مجھے وہ ساری جھوٹی نظر آئی۔ انسان نے اس کائنات میں موجود بہت سے خزانے تلاش کیے لیکن دنیا کے بہت سے فتنوں پر قابو نہ پا سکا۔ جب میں فتنوں میں داخل ہوا تو اس سے نکلنے کی کوشش نہ کی چمکتی ہوئی روشنی میں اپنے شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کیا۔ انسان انسانیت کے ستونوں کو متزلزل ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور خاموش تماشائی بنا رہا۔

جب دنیا پر غور کریں تو یہاں ہمیں خیر و شر نظر آتا ہے۔ ماضی میں غور کریں تو ہمیں خوف و باطل نظر آتا ہے۔ جب انسان حق کا ساتھ دیتا ہے تو اس پر ظلم کیا جاتا ہے۔ لیکن فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے کیونکہ اگر جذبہ نیک ہے اور لگن سچی ہے تو فتح ہمیشہ حق کو نصیب ہو گی۔ موجودہ دور میں نسلِ آدم نے بہت ترقی کر لی ہے لیکن لوگ حق سے دور ہیں۔ موصوف ہر وقت مختلف سوچ میں کھویا رہتا ہے کہ خدا دور نظر آتا ہے لیکن خدا انسان کے بہت نزدیک ہے۔ انسان کی آنکھیں تو ہیں لیکن اس کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہے۔ اس نے اپنے دل میں دنیا کی محبت بسائی ہوئی ہے اگر وہ اپنا وسیلہ اس رب حقیقی کو بنا لے تو اس کے سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

روح کی غذا علم و حکمت ہے لیکن لوگ علم سے دور نظر آتے ہیں۔ وہ بناوٹی اور مصنوعی زندگی گزار رہے ہیں۔ مغرب کی تقلید کی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنی اولاد کے نام بھی مغربی طرز کو غریبوں پر خرچ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ غریبوں کی زندگی محرومی میں گزر رہی ہے۔ حکومت بھی غریب عوام کی فلاح و بہبود پر توجہ نہیں دیتی۔ میں آج تک نہیں سمجھ پایا کہ انسان ہر صاحب اقتدار کی خوشامد اور چاپلوسی کیوں کرتا ہے؟ اس کی خاطر اپنا سکون برباد کرتا ہے لیکن خدا کو راضی کرنے کی معمولی سے بھی کوشش نہیں کی:

"انسان جب صاحبِ اقتدار کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو صاحبِ اقدار ان سے اتنا ہی دور
ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ جب کہ ان کے ایک نیک گماں سے بھی خدا اُن کے قریب آ جاتا
ہے۔"(۷)

اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے کہ رات کی تاریکیاں جتنی بھی گہری ہوں مہرباں صبح کے اجالوں کو تو پھوٹنا ہی ہوتا ہے۔ زرد خزاں کا جو روستم جتنا بھی بڑھ جائے مگر بہار کے جلوؤں کو تو نمودار ہونا ہی ہوتا ہے۔ یہ قانون فطرت ہے یہ اصول خداوندی ہے اس میں تغیر و تبدل ہے اور نہ انحراف۔ شب تاریک کے بعد ہنسی مسکراتی صبح طلوع ہوتی ہے تو یہ بھی انقلاب ہے۔ اس دنیا میں ہمارے لاکھوں آنسو بھی لوگوں کے دلوں پر اثر نہیں کرتے۔ جب کہ خدا کی قربت حاصل کرنے کے لیے ایک آنسو جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور نہ ختم ہونے والا قلب کا سکوب عطا کرتا ہے:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"اگرچہ خدا تک کسی کی رسائی نہیں لیکن میں نے بغیر کسی حجاب کے اس سے راز و نیاز کی باتیں کیں اور کہا "الٰہی اگر تو مجھے میرے جرم پر پکڑے گا تو میں تیری بخشش کا دامن پکڑوں گا" لوگ کہتے ہیں کہ بندہ اور خدا کے درمیان لامحدود حجابات ہیں اور مجھے میرے رب نے بغیر حجابات کے بات کی اجازت دی ہے۔"(۸)

اللہ رب العزت کی شان یہ ہے کہ ابھی انسان نے زبان سے کچھ کہا بھی نہیں بلکہ صرف تخیلات کی دنیا میں پھر رہا ہوتا ہے۔ تو اللہ رب العزت ان خیالوں کو جانتا ہے۔ اسی طرح جنہیں ہم دنیا کے دیوتا سمجھتے ہیں وہ اتنے بے وقعت ہوتے ہیں کہ ان کی وفات پر آسمان روتا ہے نہ زمین آخر حق کی پکار پر لوگ بہرا کیوں ہو گئے ہیں جو بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہوتا ہے دنیا اسے اندھا کر دیتی ہے اور جو اس سے عبرت حاصل کرتا ہے اس کی آنکھیں روشن کر دیتی ہے اور اس مٹھاس میں زہر ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ دنیا بے وفا محبوب کی طرح زنِ فاحشہ ہے جو اپنی طرف راغب کر کے خود منہ موڑ لیتی ہے۔ یہ سرکش بیک کی طرح ہے۔ عقلِ ضدار سطو و افلاطون بھی اس کی مکاریوں سے عاجز آجاتے ہیں یہاں میں لوگوں کو مختلف حالتوں میں دیکھ رہا ہوں۔ ظالم یہاں مضبوط ہیں اور امیر غریبوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدترین سلوک کر رہے ہیں لوگوں کی کھالیں اتاری جا رہی ہیں لوگ کٹے ہوئے جسموں سے سسک رہے ہیں۔ ملک میں موجود قدرتی ذخائر سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔

علی نقی خان نے اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے اس نظریاتی ملک میں غریبوں اور یتیموں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے وہ اسلام کے احکامات کے بالکل مختلف ہے۔ مطلب پرست اور خود غرض لوگ اپنے مفاد کی خاطر خدا اور رسول ﷺ کے احکامات کو بھول جاتے ہیں:

"انو ڈرا سہما رہتا تھا۔ نیاز کے جارحانہ رویے نے اسے اور خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ ہر وقت چپ چپ رہتا اور اس کمسنی میں بڑے بوڑھوں کی طرح سنجیدہ نظر آتا۔ نیاز گھر میں آتا تو انو کی یہی کوشش ہوتی کہ اس کے سامنے نہ جائے۔ اگر نیاز کسی کام سے بلاتا اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ وہ کسی کام کا کہتا تو بدحواسی میں کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی حرکت سرزد ہو جاتی۔ نیاز پاگل کتے کی طرح دانت کچکچا کے اس کی جانب لپکتا اور گالیوں کی بوچھاڑ کر دیتا۔"(۹)

ناول میں اس حقیقت کو بھی اجاگر کیا گیا کہ ایسے لوگ جو عوام کے سچے ہمدرد ہوں، جو غریبوں کو تعلیم اور صحت کی سہولتیں فراہم کر کے تعلیم یافتہ اور صحت مند معاشرے قائم کرنے میں مخلص ہوں اُن کو الیکشن میں کیسے ہروایا جاتا ہے۔ عوام کی طاقت کو کیسے پامال کیا جاتا ہے اور دولت کے بل بوتے پر انتظامیہ سے ساز باز کر کیسے کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔ ظالم کے پاس بہت زیادہ خطرناک ہتھیار ہیں۔ ان میں سے ایک ہتھیار طاقت ہے۔ اس کے ذریعے وہ انسانیت پر آمریت مسلط کرتا ہے۔ طاقت کے ذریعے وہ سیاست کر کے فرعون و نمرود، ہٹلر اور مسولینی بن جاتا ہے۔ قتل و غارت کے ذریعے وہ اقتصادیات کو تباہ کر دیتا ہے اور انسانیت کا استحصال کر دیتا ہے۔ توحید و شرک، ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، عدل و ظلم، خیر و شر، اطاعت و معصیت، شکر و فکران، اتحاد و اختلاف، آزادی و غلامی، حق و باطل، ظالم و مظلوم، سچ و جھوٹ، غیبت و شہادت، علم و جہل، تقویٰ اور فسق کے درمیان فرق کو نہ سمجھ سکے اور ہمیشہ شک و تردد میں مبتلا رہے۔ اسی دھوکہ کی وجہ سے سیزر Ceasar مذہبی رہنما، پوپ، پادری، گرو اور ملا بن کر عوام کا خون چوستے رہے۔ بعلم بن عور بھی شکلیں تبدیل کرتا رہا اور اس طرح انسانیت قابیل کے بچوں سے کبھی بھی نجات حاصل نہ کر سکی:

"عوام کے یہ منتخب نمائندے بھتہ خوروں اور قبضہ گروپوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ کہیں سرکاری زمین خالی مل جائے تو کوڑیوں کے حساب سے خرید لیتے ہیں۔ کسی غریب، یتیم، بے سہارا یا بیوہ کی جائیداد نظر آجائے تو اسے ہتھیانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ کبھی یہ ہمدرد بن کر دھوکہ دیتے ہیں تو کبھی دھونس دھاندلی کے ذریعے لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔"(۱۰)

ظلم کو آزادی حاصل ہوں۔ فکر و عمل کی آزادی کو دبا دیا جائے اور معشرے کو اخلاقی طور پر تقسیم کیا جائے۔ لوگوں کے دل و دماغ کو مفلوج کر

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

دیا جائے، میری خواہش ہے کہ دنیا کے پجاری فرعون سے زیادہ خونخوار اور قارون سے زیادہ دولت کے پجاری بن جائیں۔ بلعم بن عور سے بڑھ کر عیار و مکار ہو جائیں۔ اچھی اقدار کا خاتمہ کر دیا جائے۔ نیک پاک وطیب و طاہر لوگوں کو مذہب کے نام پر قتل کر دیا جائے۔ مذہبی رہنماؤں کو درباری بن دی جائے۔ مقدس مقامات شرک، ظلم، مکر و فریب اور ریاکاری کا مرکز بن جائیں۔ بیت المال ظالم لوگوں کے حوالے کر دیا جائے۔ حق و صداقت کی باگ دوڑ گمراہ لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے۔ آزادی کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔ انسانی اصولوں کو تہس نہس کر دیا جائے۔

یہ دنیا کا اصول رہا ہے کہ مظلوم کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ انقلاب جب بھی آتا ہے لوگ اقدار کو پامال کرتے ہیں اور خود ہی ان کے وارث بھی بن جاتے ہیں:

> ”یہ سب کچھ میں دیکھتا رہا۔ آنسو بھی بہاتا رہا مگر آنسو بہانا تو اس کا علاج نہیں تھا۔ میری خواہش تھی جس نظر سے میں ان ابلیسی اور شیطانی نظر سے دیکھتا رہا اور دوسرے بھی اسی نظر سے دیکھیں لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ لوگوں نے میری بات کو نہ سمجھا اور الٹا ابلیس کے ہاتھوں کو مضبوط کرتے رہے اور ابلیس نے بھی اس کا خوب فائدہ اٹھایا اور وہ قارون جیسے اور لوگ پیدا کرتا رہا اور قارون ہر دور میں اپنا نام تبدیل کرتا رہا۔ اب بھی قارون بینک اور سود کی شکل میں موجود ہے۔“(۱۱)

قابیل کے پاس مختلف قسم کے ہتھیار ہیں۔ ان ہتھیاروں کی وجہ سے وہ خیر و شر کو نہ سمجھ سکا۔ اس ہتھیار کو مذہبی رہنماؤں نے بھی استعمال کیا۔ مذہبی رہنماؤں کے علاوہ ڈاکٹر جنھیں مسیحا کہا جاتا ہے وہ بھی اس کے فریب سے نہ بچ سکے۔ مصنف نے ایک ایسی عورت کی کہانی بیان کی ہے جو بہت خوبصورت تھی۔ اس کا شوہر بیمار تھا۔ وہ اس کے علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس آئی۔ ڈاکٹر نے اس کا اپنڈکس کا آپریشن کیا اور آپریشن کے دوران اس کے گردے نکال لیے وہ مریض مر گیا۔ اس کی وفات کے بعد ڈاکٹر نے اس کی بیوی سے شادی کرنا چاہی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ جنھیں مسیحا کہا جاتا ہے وہ عوام کی زندگی بچانے کی بجائے ان کے اعضاء نکال کر فروخت کر دیتے ہیں۔

مصنف بیان کرتے ہیں کہ میں بادشاہ کی قبر پر کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے تو اپنے علاج کے لیے کوئی جڑی بوٹی تلاش کرنی ہے۔ آخر کار میں ایک صحرا میں پہنچا وہاں دیکھا کہ دو آدمیوں نے ایک آدمی کو زنجیر میں جکڑا ہے وہ اوپر سے نیچے آرہا تھا اور پانی مانگ رہا تھا۔ میں نے اسے پانی پیش کرنا چاہا ان دو آدمیوں نے اسے دوبارہ اوپر کھینچ لیا۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا تو مزید سفر کا ارادہ ترک کر دیا۔ مصنف مزید بیان کرتے ہیں کہ میں ہمیشہ بے چین رہتا ہوں اگر کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو دوسرے لمحے اس ارادے کو ترک کر دیتا ہوں۔ میرے دو کان ہیں ایک کان میں فرشتہ ہدایت دیتا ہے۔ دوسرے کام میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے اگرچہ انسان دنیا میں بھوکا رہتا ہے مگر شیطان کو اس کے بدن سے غذا ملتی رہی ہے:

> ”جب کبھی میں مسجد و مندر و چرچ عبادت کے لیے جاتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ خدا کے نزدیک ہونے کی بجائے خدا سے دور ہو گیا ہوں اور جب کبھی مے خانے میں چلا جاتا ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میں خدا کا برگزیدہ بندہ بن گیا ہوں۔ میری تمام عمر اسی کشمکش میں گزری ہے کہ میں کون ہوں؟ اور میں اپنے آپ کو نہ سمجھ سکا۔“(۱۲)

اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ انسان کے پاس پوری دنیا کی معلومات ہیں لیکن اگر اس کے جسم میں ذرا سی تکلیف ہو تو وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے لیکن اس کی طاقت تمام حشرات اور جانوروں سے کم ہے۔ انسان کے ظاہر و باطن میں بہت فرق ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو لوگوں کی مدد کرتے ہیں لیکن وقت آنے پر ان کے حقوق بھی غصب کر لیتے ہیں:

> ”جب بھی میں نے دیکھا کہ معاشرے میں بہتری آرہی ہے تو چند دہلی نظام کے پرستار اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آگ اور خون کے کھیل کے ذریعے معاشرے کو اصلاح کے نام پر تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ انقلابیوں کی صفوں میں داخل ہو کر ان کا شیرازہ درہم برہم کر دیتے ہیں اور موقع ملتے ہی انقلابیوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیتے ہیں۔ میں نے عموماً دیکھا ہے کہ مفاد پرست طبقہ رجعت پسندوں کی مدد سے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ سچے اور مخلص لوگ بے بس نظر آتے ہیں۔"(۱۳)

اس اقتباس میں علی نقی خان کہتے ہیں کہ معاشرے میں تبدیلی آرہی ہے لیکن معاشرے میں وہی کچھ ہو رہا ہوتا ہے جس سے حکمرانوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی معاشرے میں اتنی منافعت آجاتی ہے کہ وہ قوم جس کا رعب و دبدبہ ساری دنیا پر ہوتا ہے وہ اس مرض سے اندر ہی اندر کھوکھلی ہو جاتی ہے۔ پھر اسی ملک کے اندر خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ کام انبیاءؑ کے دور سے ہو رہا ہے اور اب تک قائم ہے۔

پوری دنیا سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے بھری پڑی ہے مگر علم دنیا سے اُٹھ گیا ہے اور علم کی تذلیل ہو رہی ہے۔ دولت کی توقیر ہو رہی ہے، دہشت گردی مسجدوں تک پہنچ گئی ہے، جھوٹ، غیبت، بہتان اور حرام چیزوں سے کوئی اعتراز نہیں کرتا مجھے امن سے رہنا چاہیے۔

اس اقتباس میں مصنف نے دنیا میں ہونے والے واقعات کا ذکر کیا ہے کہ تعلیمی ادارے تو موجود ہیں لیکن ان میں علم میں نہیں ہے۔ لوگ علم حاصل کرنے کے بعد اخلاقیات سے دور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے دلوں سے انسانیت کا جذبہ ختم ہو رہا ہے۔ انسان کو اس معاشرے میں امن قائم کرنا چاہیے۔ لیکن جدید ٹیکنالوجی نے انسان کا اپنا امن تباہ کر دیا ہے۔ ماں باپ کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ انسان جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ جانور اپنی نسل سے پیار کرتے ہیں۔ لیکن انسان اپنی نسل کا دشمن بن گیا ہے۔ دیکھنے میں انسان نے ترقی کر لی ہے لیکن اس ترقی میں انسان کی تباہی ہی تباہی ہے۔ ہمارے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کی خبر نہیں ہمسائے کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ عورتوں نے مردوں کے کام کرنا شروع کر دیے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں عورتیں ہی عورتیں نظر آتی ہیں۔

ہر شعبہ میں عورت کو لایا جا رہا ہے۔ عورت کا کام گھر کی چاردیواری کے اندر تھا۔ مگر آج عورت چراغِ خانہ نہیں بلکہ شمع محفل بننے پر خوشی محسوس کرتی ہے۔ کچھ عورتیں مجبوری کی وجہ سے گھر سے باہر کام کرنے پر مجبور ہیں اور کچھ عورتیں آزادی حاصل کرنے کی خاطر گھر سے باہر کام کرتی ہیں۔ عورتیں مردوں کا روپ اختیار کر رہی ہیں۔ مرد اپنی ترقی حاصل کرنے کے لیے عورت کا سہارا لیتے ہیں۔ جہالت کے ادوار میں آگ میں جلتی عورت، مظالم سہتی عورت اور پھر جانوروں سے بدتر سمجھنے کا عہد ان سب کا احاطہ عورت ہی کو درپیش ہے:

> "اسے یہ قلق اور دکھ ہے کہ مرد کی برتری میں اس کا استحصال کیا جاتا رہا۔ مذہب کے نام پر آزادیاں سلب کرنے کا دکھ، علم سے دوری اور سب سے بڑھ کر اپنی حقیقت کی دریافت سے محروم رکھا جانا یہ سب وہ اعتراضات ہیں جو حقوقِ نسواں کی علمبرداری میں اٹھائے جاتے ہیں۔"(۱۴)

علی نقی خان نے صیغہ واحد متکلم استعمال کرتے ہوئے ان سوالوں کے جوابات بڑی مہارت سے دیئے ہیں جس سے یہ تصویر ادھوری نہیں رہتی وہ ایک ماہر مورخ کے طور پر تاریخی حوالے دیتے ہوئے عورت کی شخصیت کو پیش کرتے ہیں۔ جہاں جنت سے نکالے جانے کی ذمہ دار "حوّا" ایک عورت گردانی جاتی ہے۔ جہاں حسنِ یوسف پر فریفتہ نفس سے مجبور زلیخا بھی نظر آتی ہے مگر اس خواہش کے ساتھ کہ اس میں مجاہدہ و مراقبہ کی کیفیت یوسف کی سی بھی ہے جو اس کے زلیخا کو جوان کر دے۔ جہاں عورت کو رسوائی کا باعث سمجھا گیا، اسے پامال و تاراج کرنا مردانگی کی علامت گردانا گیا مگر قربانیوں کی تمام تر کاوشوں کو یکسر نظر انداز کیا گیا:

> "بچپن میں رات گئے تک اس لیے جاگتی تھی کہ والد صاحب دیر سے گھر آتے ہیں جوانی میں راگ گئے اس لیے جاگتی رہی کہ خاوند صاحب لیٹ آتے تھے۔ ادھیڑ عمر میں اس لیے جاگنا پڑتا کہ اب بیٹے لیٹ آتے ہیں۔"(۱۵)

یہ دیکھنے میں تو ذرا سی بات لگتی ہے مگر مصنف نے پس الفاظ خوبصورت تجزیہ پیش کیا کہ نیند کی یہ قربانی جسے مرد نے ہر روپ میں اپنا حق سمجھا، اس کی خواہش رہی کہ باپ، خاوند اور بیٹے کے روپ میں دروازے پر دوسری دستک نہ دینا پڑے اور پھر اسے اپنی برتری اور فوقیت سمجھتے ہوئے اترانا دراصل اس برتری کے خیال کی تسکین ہے جو اسے فطری طور پر معاشرے نے عطا کی ہے۔

ہمارے معاشرے میں نشہ آور چیزوں کا استعمال ہو رہا ہے۔ لوگوں کے عقیدے کمزور ہو گئے ہیں۔ لوگ حلال کی بجائے حرام طریقے سے روزی کما رہے ہیں۔ لوگ عبادت دکھاوے کے لیے کرتے ہیں۔ لوگ مقدس مقامات کی زیارت محض دکھاوے کے لیے کرتے ہیں۔ لوگ مشرقی روایات کو

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

چھوڑ کر مغرب کی تقلید کر رہے ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی امن نہیں ہے۔ ہر طرف آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے:

"پاکستان مذہبی دہشت گردوں کے ہاتھوں سسنان ہو رہا ہے۔ عراق میں جلاد داخل ہو کر لوگوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ متبرک مقامات پر ایسے لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں جو خدا سے نہیں ڈرتے۔ فلسطین گھوڑوں کی ٹاپوں سے برباد ہو رہا ہے۔ نفس ذکیہ اپنے ساتھیوں سمیت سمیڑیوں کی سرزمین پر ذبح ہونے والا ہے۔ مسلمان ممالک میں آگ لگ چکی ہے۔ سامری اور اس کے اتحادیوں نے مسلمانوں کی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ تیل کے کنویں جل چکے ہیں۔"(۱۶)

مصنف اس اقتباس میں بیان کرتے ہیں کہ اسلامی ممالک جنگ کی لپیٹ میں ہیں۔ مصنف نے افغانستان میں حملہ کرنے والوں کو سانپوں سے اور عراق سے حملہ کرنے والوں کے لیے جلاد کا سمبل استعمال کیا ہے۔ عیسائی جو شروع ہی سے شکست کھا رہے تھے۔ اب طاقتور بن گئے ہیں۔ شیطانی قوتیں عربوں پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعے تمام اسلامی دنیا پر قبضہ کر سکیں۔

مصنف نے اس اقتباس میں طاقت ور قوتوں کے لیے سامری کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ طاقتیں مسلمانوں کے خلاف سازش کر رہی ہیں۔ کبھی یہ کسی اسلامی ملک پر الزام لگا کر اس پر حملہ کر دیتی ہیں اور کبھی کسی امن اور خوشحالی قائم کرنے کے بہانے داخل ہو جاتی ہیں۔ ان طاقتوں کا مقصد مسلمانوں کے اتحاد اور طاقت کو ختم کرنا ہے۔ اس صورتِ حال سے اندازہ ہوتا ہے کہ عنقریب پوری دنیا تیسری عالمی جنگ کے امکانات پیدا ہو رہے ہیں:

"افسوس صد افسوس یہ وہی ہوا جو ہونا تھا کہ سامری نے تیسری عالمی جنگ کا خوفناک آغاز کر دیا ہے۔ سامری اور اس کے اتحادی مسلمانوں کی عزتوں کو پامال کر رہے ہیں اور دنیا میں پانی کی قلت ہو گئی ہے۔ اب طوفان نوح کی طرح ایک اور طوفان آنے والا ہے۔ مصر میں چتکبرہ ظاہر ہو گیا ہے۔ اس کے جھنڈے کا رنگ سیاہ و سفید و نیلا ہے۔ میں کون سی آوازیں سن رہا ہوں۔ پہلے تو مجھے ان کی سمجھ نہ آئی اب معلوم ہوا کہ یہ ناقوس کے چیخنے کی آوازیں تھیں۔"(۱۷)

مصنف نے اس اقتباس میں سامری کی علامت استعمال کی ہے۔ سامری حضرت موسیٰ کے زمانے میں موجود تھا۔ یہ لوگوں کو اپنے جادو کے ذریعے ورغلاتا تھا۔ مصنف نے مختلف قسم کی علامات کا استعمال کیا ہے جیسا کہ ہر طرف بھینس کے بولنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ پوری دنیا پر سرسام طاری ہو چکا ہے۔ اس ناول میں دنیا میں ہونے والے واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ ہر طرف دہشت گردی پھیل گئی ہے۔ جس سے پوری دنیا متاثر ہے۔ ہر طرف افراتفری کا عالم ہے دنیا کا امن تباہ ہو چکا ہے۔ انسانی اقدار کو پامال کیا جا رہا ہے۔ پوری دنیا میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ بے روزگاری کا شکار ہو رہے ہیں:

"فکر تنگ دستی لوگوں سے چمٹ گئی ہے۔ غریب کے لاشے پر سامراجیوں کے قہقہے گونج رہے ہیں۔ قہقہوں کے گرد ناداروں کی سسکتی آہیں ہیں۔ ہر جگہ غربت، انتشار و تخریب کاری اور ظلم و جور کا دور دورہ ہے۔ مسائل کا راج ہے۔ فلسفے کی فضول بحث نے دنیا کی الجھنوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ مادر پدر آزادی کی تعلیم دی جا رہی ہے اور ثقافت کے نام پر اودھم مچایا جا رہا ہے۔"(۱۸)

اس اقتباس میں مصنف دنیا میں ہونے والے واقعات کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ سارے مسائل انسان کی کوتاہی کا نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد پیدا کیا لیکن انسان خواہشات کا اسیر ہو کر مشکلات کا شکار ہے۔ اس کائنات پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ کائنات میں موجود ہر چیز خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے فیض حاصل کر رہی ہے۔ جب سورج نکلتا ہے تو کائنات میں موجود ہر چیز اس سے فیض یاب ہوتی ہے۔ ننھے پودے اس کی روشنی سے اپنی خوراک کا انتظام کرتے ہیں۔ پھول اور کلیوں میں اس کی وجہ سے نکھار آتا ہے۔ لیکن انسان کی یہ بدقسمتی ہے کہ آزاد ہونے کے باوجود آزادی کی نعمت سے لطف نہیں اٹھا سکا۔ انسان کے سامنے ایک سیدھا راستہ ہے لیکن انسان ایسے راستے سے سفر کرنا چاہتا ہے جو جلد اسے منزل پر پہنچا دے چاہے وہ راستہ صحیح ہو یا غلط۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

انسان کے سامنے اچھائی اور برائی کے دو راستے ہیں۔ اب اس کے اختیار میں ہے کہ وہ جو بھی راستہ اختیار کر کے اگر انسان اچھے راستے پر چلتا ہے تو وہ کعبہ اور بت خانے کو پہچان لیتا ہے۔ وہ سلیمان اور جمشید کی بادشاہت میں فرق سمجھ جاتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے نبی ہیں اور اس کائنات پر ان کے حکومت قائم تھی اور جمشید صرف ایک بادشاہ تھا۔ اس کے پاس ایک ایسا پیالہ تھا جس میں وہ ساری دنیا کے حالات معلوم کرتا تھا جب کہ حضرت سلیمان کو یہ طاقت اور منصب اللہ کی طرف سے ملا ہوا تھا۔ اس طرح ان دونوں کی بادشاہت میں بہت فرق ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ میں ان حکمرانوں کو اچھی طرح جانتا ہوں جو ہزاروں سالوں سے پریوں اور دیوتاؤں کے نام پر میرے اوپر حکمرانی کرتے ہیں۔ انہوں نے میری عوام کی آنکھوں پر جہالت کی ایسی پٹی باندھ دی ہے کہ میرا ملک ایک ایسی تاریک غار کی طرح بن گیا ہے۔ یہاں سے جو بھی باہر جانے کی کوشش کرتا ہے اسے کافر کہہ کر قتل کر دیا جاتا ہے:

> ”میں نے ایک مضبوط کیڑا دیکھا جب وہ انڈے دینے لگتا ہے تو کمزور کیڑے کی پشت پر سوار ہو جاتا ہے اور اس کی پیٹھ میں آہستہ آہستہ ڈنگ مارتا ہے تاکہ کمزور کیڑا مرنے نہ پائے۔ جب وہ کیڑا بے بس ہو جاتا ہے تو اس کی پیٹھ پر انڈے دیتا ہے۔ عجب بات یہ ہے کہ انڈے دینے کے کچھ دن بعد بچے نکلنے سے پہلے خود مر جاتا ہے۔ اس طرح نہ اپنی نسل کو دیکھتا ہے اور نہ ہی نسل اسے دیکھتی ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو وہ اس نیم مردہ کیڑے سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ آخر کار کیڑا ختم ہو جاتا ہے اور ادھر بچے بڑے ہو کر اپنی راہ لیتے ہیں۔ میری حالت کمزور کیڑے کی مانند ہے اور میرے حکمران کس طرح اپنی آنے والی نسلوں کے لیے مجھے استعمال کرتے ہیں۔“(۱۹)

موصوف اس اقتباس میں یوں بیان کرتے ہیں کہ ہمارے حکمران تمہیں ریشم کے کیڑے کی طرح نیم مردہ کر دیتے ہیں۔ کبھی ٹیکس لگا کر کبھی عوام کو غریب میں مبتلا کر کے اور کبھی مہنگائی کے زور سے جب ان کا دور حکومت پورا ہو جاتا ہے۔ پھر ان کی اولادیں ہمارے اوپر حکمرانی کرنے کے لیے آ جاتی ہیں۔ حکمران اپنی اولاد کو ہمارے اوپر حکمرانی کرنے کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔

اس ناول کا خاصا، جو کہ زیادہ فکر انگیز اور توجہ طلب ہے۔ جو پوری کہانی کو محیط ہے۔ وہ اس کا انسانی پہلو ہے۔ انسانی سوز اور دردمندی کی کیفیت پوری کہانی میں اپنی موجودگی کا برملا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔ یہ ناول خود کلامیہ انداز میں لکھا گیا ہے یہ پوری انسانی تحریک کے ایک گم شدہ ورق پر لکھے ہوئے انسانی تجربوں کا ایک ایسا المیہ ہے جس میں انسانی قدروں کی پائمالی، انسانی رشتوں کی عدم مساوات، عام سطح سے متعلق انسانی واقعات اور المیوں کا نوحی بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ انسان اپنے ہر انجام سے باخبر ہوتے ہوئے بھی بہت بے خبر ہے۔ یعنی انسان ہر طرح کی صورت حال خواہ وہ اتفاقاً ہو، متوقع یا غیر متوقع ہو یا پھر اچانک رونما ہو، کے سامنے بہت لاچار و بے بس ہے۔

الغرض علی نقی خان س ناول میں کسی ایک واقعے یا کردار کے ذریعے اجتماعی انسانیت کی تاریخ کے ایک مکمل منظر نامے کو بڑی فنکاری اور پر اثر پیرائے میں تشکیل دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی تحریر میں سادگی اور بے ساختگی ملتی ہے۔ انھوں نے عام اشیاء کے بیان سے ہمہ گیر اور مہیب فضا ترتیب دی ہے۔ اس فضا میں انہوں نے معمولی واقعات سے غیر معمولی نتائج اخذ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ انہوں نے جس طرح وسیع تر تناظر میں انسانی المیوں کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ثریا سپرا (مقالہ نگار)، علی نقی خان کے ناولوں میں مابعد الطبیعاتی عناصر (ایم فل اردو)، شعبہ اردو، فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز رفاہ انٹرنیشنل فیصل آباد، کیمپس، 2021ء، ص3

۲۔ علی نقی خان (انٹرویو)، بمقام جھنگ، مورخہ 20 مئی 2023ء

۳۔ شان الحق حقی، فرہنگِ تلفظ (طبع چہارم)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2002ء، ص636

4. Diana Kendall, Sociology in our times, The essentials (6th edition), Thomson higher education Belmont, USA, 2007, P4

5. James M. Henslin (editor), Dawn to earth sociology, Endrocucory Reading, (8th edition), The free press, New York (London), 1995, P 504

۶۔ علی نقی خان، زوالِ لازوال، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2015ء، ص7

۷۔ علی نقی خان، زندانِ وجود، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ص30

۸۔ ایضاً، ص12

۹۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، کراچی: کتاب پبلی کیشنز، 2013ء، ص13

۱۰۔ مشتاق عادل، پاکستانی اردو ناول میں طبقاتی کشمکش، ساہیوال: فروغ زباں پبلشرز، 2021ء، ص276

۱۱۔ علی نقی خان، زوال لازوال، ص2۔1

۱۲۔ ایضاً، ص53۔52

۱۳۔ ایضاً، ص54

۱۴۔ عاصم علی، اعتراف، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2017ء، ص46

۱۵۔ علی نقی خان، گردابِ وجود، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2014ء، ص9

۱۶۔ علی نقی خان، زوال لازوال، ص61۔60

۱۷۔ ایضاً، ص63۔62

۱۸۔ ایضاً، ص64

۱۹۔ علی نقی خان، زوال لازوال، ص100